کہانی نویسی

ضروری ہدایات

☆ کہانی ہمیشہ صیغہ ماضی میں لکھی جائے۔

☆ کہانی کی تحریر سادہ اور اَدبی ہو اور کہانی کا حُسن بڑھانے کے لئے ضرب الامَثال اور محاورات کا بَر محَل استعمال کیا جائے۔

☆ کہانی کو پیرا گراف بناتے ہوئے لکھا جائے۔

☆ کہانی کا متن عنوان اور اَخلاقی سبق سے بھرپور مُطابَقت رکھتا ہو۔

☆ کہانی میں آنے والے کرداروں کے مکالمے اُن کی حیثیت کے آئینہ دار ہوں اور تمام مکالمے " واوین " میں لکھے جائیں۔

☆ مجموعی طور پر عبارت مُنظم، مَربوط اور جامع ہو۔

☆ کہانی کے اختتام پر اخلاقی سبق یا منطقی نتیجہ ضرور لکھیں کیوں کہ اس کا ایک نمبر مُختص ہے۔

☆ کہانی کم و بیش دو صُفحات تک لکھی جائے۔

☆ جو کہانیاں اُردو قواعد و اِنشا میں ہیں پرچے میں بھی اُنھی کا انتخاب کیا جائے۔

1. بندر کی بے وقوفی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ گرمی کا موسم تھا، دھوپ شدت کی تھی۔ ہر طرف آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ ایک بڑے جنگل کے کنارے ایک بڑ کا درخت شاخوں اور پتوں کی چھتری تانے کھڑا تھا۔ اس کی گھنی چھاؤں میں ایک بڑھئی لکڑی کے بڑے بڑے لٹھ چیرنے میں مصروف تھا۔ وہ اپنے کام میں اس قدر مشغول تھا کہ اس نے کبھی بڑ کی چھاؤں کے سوا کسی طرف خیال نہیں کیا تھا۔ بڑ کے اوپر ایک بندر بھی رہا کرتا تھا اور بڑی توجہ سے بڑھئی کو لکڑی چیرتے دیکھا کرتا تھا۔ اُسے بڑھئی کا کام اتنا پسند آیا کہ وہ چاہتا تھا کہ بڑھئی چلا جائے اور وہ لکڑی چیرنے کے لیے لٹھ پر بیٹھ جائے اور بڑھئی بن کر لکڑی چیرے۔ بڑھئی اکثر لکڑی چیرتے وقت لکڑی کی درز میں ایک پچر ٹھونک لیا کرتا تھا۔ بندر نے یہ سارا کھیل دیکھا اور موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ بڑھئی کسی حاجت کے لیے لَٹھ سے اٹھا آری اور پچر دونوں اپنی اپنی جگہ چھوڑے اور خود چلا گیا۔

بندر نے دیکھا، موقع پایا، درخت سے اُترا، لٹھ پر آبیٹھا اور ادھر ادھر دیکھ جھانک کر لکڑی کی درز کے پچر کے ساتھ کھیلنے لگا۔ زور لگاتا اور اسے ہلاتا رہا، ہلتے ہلتے آخر پچر درز سے نکل آئی اور درز بند ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی بندر کا ہاتھ درز میں آ کر پھنس گیا۔ بہتیرا چیخا چلایا، تڑپا مگر ایسا پھنسا کہ نکل نہ سکا۔ آخر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ بڑھئی نے بندر کی چیخیں سنیں تو بھاگا ہوا آیا۔ بندر کو بے حِس و حرکت پڑے پایا۔ جلدی سے پچر اٹھائی اور لکڑی کی درز میں ٹھونک دی۔ درز کھلی تو بندر پھر بھی نہ ہلا۔ بڑھئی نے دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ اسے درز کی قید سے نکال کر الگ پھینکا اور غصے سے کہنے لگا: ”جس کا کام اسی کو ساجھے“

بے وقوف تو بندر تھا۔ بڑھئی بننے کی آرزو میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

نتیجہ: جس کا کام اسی کو ساجھے

2. سچ کی برکت

رات کا پچھلا پہر تھا، دن بھر کا تھکا ہارا قافلہ پڑا سو رہا تھا۔ اچانک شور اُٹھا۔ ڈاکو آ گئے ' ڈاکو آ گئے '۔ سوئے ہوئے مسافر ہڑ بڑا کر اٹھے اور اپنے اپنے سامان کو سنبھالنے لگے۔ ڈاکوؤں نے لُوٹ مچار کھی تھی۔ ایک ایک کی تلاشی لے رہے تھے، لوگوں کی جیبیں ٹٹول رہے تھے، جو کچھ پاتے تھے، چھین جھپٹ لیتے تھے۔ لٹنے والے آہ و فُغاں کر رہے تھے، مگر ظالم ڈاکوؤں پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔

اسی قافلے میں ایک نو عمر لڑکا بھی شامل تھا، جو کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور مطلق پریشان نظر نہیں آتا تھا۔ ایک ڈاکو اس کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: ”لڑکے تیرے پاس کیا ہے ؟“ ”چالیس اشرفیاں“ لڑکے نے جواب دیا۔ ڈاکو مذاق سمجھ کر آگے بڑھ گئے۔ دوسرا ڈاکو آیا تو لڑکے نے اسے بھی یہی جواب دیا اسی طرح یکے بعد دیگرے تین ڈاکوؤں نے لڑکے سے یہی جواب پایا۔ ڈاکوؤں کے سردار تک بھی یہ بات پہنچی۔ اس نے لڑکے کو پکڑ منگوایا اور پوچھا ”لڑکے! تیرے پاس کیا ہے ؟“

لڑکے نے اطمینان سے جواب دیا! چالیس اشرفیاں“ سردار نے پوچھا: ”کہاں ہیں چالیس اشرفیاں ؟“۔ لڑکا بولا: ”میرے کُرتے کی تہ میں سِلی ہوئی ہیں۔“ کرتے کی تہ کھولی گئی تو سچ مچ چالیس اشرفیاں نکل آئیں۔ سردار نے حیرت سے کہا: ”لڑکے! تو نے اتنی بڑی رقم چھپا کیوں نہ لی ؟“، ”میری ماں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا! ہمیشہ سچ بولنا میں جھوٹ بول کر گُنہگار کیوں بنتا“ لڑکے نے جواب دیا۔

سردار نے لڑکے کا جواب سنا تو سوچ میں پڑ گیا کہ نو عمر لڑکا ماں کی نصیحت کا اتنا پابند ہے اور میں ایک مدت سے اللہ کے حکم کے خلاف عمل کر رہا ہوں۔ اللہ کے حضور میرا کیا حال ہو گا؟ سردار نے حکم دیا۔ سارا مال قافلے کے لوگوں کو واپس کر دو اور خود لڑکے کے پاؤں میں گر پڑا، توبہ کی اور رہزنی کا پیشہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔ یہ لڑکا کون تھا؟ یہ تھے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جو بغداد میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے قافلے کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان کے سچ کی برکت سے پیشہ ور ڈاکو توبہ کر کے نیک بن گئے۔

نتیجہ: سانچ کو آنچ نہیں۔

3. جھوٹ کی سزا

ایک نوجوان گڈریا جو دریا کے کنارے اپنی بھیڑیں چرایا کرتا تھا۔ اسے عادت تھی کہ کبھی کبھی مَستی میں آ کر چلاتا!” شیر آیا شیر آیا۔ “دوڑو!“ ارد گرد کے کھیتوں میں کام کرنے والے سنتے تو لاٹھیاں، کلھاڑیاں لے کر دوڑ پڑتے، مگر جب گڈریے کے پاس پہنچتے تو وہاں کوئی شیر ، بھیڑیا نہ پا کر گڈریے سے پوچھتے !“میاں! کہاں ہے شیر ؟“

گڈریا ہنس دیتا اور کہتا ہے میں نے تو صرف دل لگی کی تھی، شیر کے لیے تو میں خود ہی کافی ہوں۔ شیر آئے گا تو جان سلامت نہ لے جائے گا۔ چند بار تو لوگ گڈریے کی پکار سن کر پہنچ جاتے رہے، مگر گڈریے کی روز کی پکار سے تنگ آ گئے۔ اب اس کی پکار کو سب جھوٹ سمجھتے اور کوئی ادھر توجہ نہ دیتا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن سچ مچ کہیں سے شیر آ گیا۔ بھیڑوں کا گلہّ دیکھا تو خوش ہو گیا۔ بڑھ کر ایک بھیڑ کے پنجہ مارا۔ بھیڑ کی گردن ٹوٹ گئی اور مر کر ڈھیر ہو گئی۔ گڈریے نے شور مچایا، مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔ گڈریا لاٹھی لہراتا ہوا آگے بڑھا تو شیر نے ایک ہی جست میں اس کی گردن بھی مروڑ دی۔ بھیڑیں بھاگ رہی تھیں اور شیر ان کا شکار کر رہا تھا آخر سارے کا سارا گلہّ شیر کا شکار بن گیا۔

سورج غروب ہو گیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ نہ گڈریا آیا نہ بھیڑوں کا گلہّ۔ گڈریے کے رشتہ داروں نے رات بہت بے چینی سے گزاری۔ صبح ہوتے ہی ڈھونڈنے کو نکل کھڑے ہوئے۔ چراگاہ پہنچے تو مردہ بھیڑوں اور مرے ہوئے گڈریے کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔ گڈریے کو جھوٹ کی سزا مل چکی تھی اور بھیڑیں مفت میں جان گنوا چکی تھیں۔

نتیجہ: **جھوٹ کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔**

4. اتفاق میں برکت

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے مگر ان میں آپس میں اتفاق نہ تھا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑانا، جھگڑنا اُن آئے دن کا معمول تھا۔ کسان نے بیٹوں کو کئی مرتب سمجھایا لیکن بیٹوں پر باپ کی نصیحت کوئی اثر نہ ہوا۔ بے چارہ کسان اپنے جوان بیٹو کی اس ناچاقی اور نااتفاقی سے ہمیشہ پریشان رہتا تھا۔

ایک دفعہ کسان سخت بیمار پڑ گیا۔ اسے اپنے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اس کی شدید آرزو تھی کہ اپنے جیتے جی اپنے بیٹوں کو آپس میں اتفاق سے رستے بستے دیکھ لے لیکن اس کے بیٹے تھے کہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور باپ کی کسی بات پر کان نہ دھرتے تھے۔ اس پریشانی کے علام میں کسان کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے ایک روز اپنے چاروں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور پتلی پتلی لکڑیاں کا ایک گٹھا بھی منگوا لیا۔ کسان نے یہ گٹھا باری باری چاروں لڑکوں کو دیا اور اسے توڑنے کو کہا۔ ہر چند چاروں بیٹے زور تھے مگر طاقت ور ہونے کے باوجود کوئی بھی گٹھے کو نہ توڑ سکا۔

جب چاروں بھائی اپنی پوری کوشش کے باوجود گٹھا توڑنے میں ناکام رہے تو کسان اپنے بیٹوں سے مخاطب ہوا اور لکڑیوں کے گٹھے کو کھول کر لکڑیوں کو الگ الگ کر کے توڑنے کا کہا تو ان میں سے ہر ایک نے بڑی آسانی سے ایک ایک لکڑی کو توڑ دیا۔

یہ دیکھ کر کسان نے بیٹوں سے کہا:

"دیکھو میرے بیٹو! جب تک یہ لکڑیاں ایک گٹھے کی صورت میں بندھی ہوئی تھیں، تم ہزار کوشش کے باوجود انھیں نہ توڑ سکے اور جب یہ علیحدہ علیحدہ ہو گئیں، تم انے انھیں بڑی آسانی سے توڑ لیا۔ یاد رکھو! تم بھی جب تک لکڑیوں کے اس گٹھے کی طرح آپس میں متحد اور یک جان رہو گے تو دنیا کی کوئی طاقت تمھیں نقصان نہ پہنچا سکی کی لیکن اگر تم الگ الگ ہو گئے تو ہر شخص آسانی سے دبا لے گا۔"

بوڑھے کسان کی یہ نصیحت کام کر گئی۔ چاروں بھائیوں نے اپنے باپ سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ہمیشہ اتفاق اور محبت سے رہیں گے اور آپس میں کبھی لڑائی جھگڑا نہ کریں گے۔ یہ سن کر کسان کا دل خوش ہو گیا اور اس نے اپنے بیٹوں کو بہت دعائیں دیں۔

نتیجہ: **اتفاق میں برکت ہے۔**

5. لالچ کی سزا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تین دوست اکٹھے ایک سفر پر جانبِ منزل تھے۔ یہ تب کی بات ہے جب سفر کی سہولتیں بالکل نہیں ہُوا کرتی تھیں۔ مسافروں کو پیدل ہی سفر طے کرنا پڑتا تھا اور منزل تک پہنچنے میں کئی کئی دن لگتے تھے۔ وہ تین دوست بھی کچھ دنوں سے سفر میں تھے۔ ایک دن وہ کسی آبادی کے قریب ہی ایک سایہ دار درخت کے نیچے رُکے۔ ابھی وہ بیٹھے ہی تھے کہ ان میں سے ایک کی نظر وہاں پڑی ایک تھیلی پر پڑی۔ اس نے وہ تھیلی اٹھائی اور دیکھ کر خوشی سے چلایا: "واہ! واہ! ہم دولت مند ہو گئے! ہم دولت مند ہو گئے!"

دوسرے نے لپک کر دیکھا اور خوشی سے کہا: "اتنا زیادہ سونا! یقین نہیں آتا۔"

تیسرے دوست نے دیکھا اور بولا: "ہمیں یہ تمام اشرفیاں برابر برابر تقسیم کر لینی چاہیں۔ یہ ہم سب کا نصیب ہیں۔"

جس نے سب سے پہلے تھیلی دیکھی تھی، بولا: "مجھے کچھ اشرفیاں زیادہ ملنی چاہیں کیوں کہ یہ تھیلی سب سے پہلے میں نے دیکھی تھی۔"

دوسرا دوست بولا: "تم شاید بھول رہے ہو کہ یہاں اس درخت کے نیچے بیٹھنے کا مشورہ میں نے ہی دیا تھا۔ اس اعتبار سے تو مجھے زیادہ اشرفیاں ملنی چاہیں۔"

تیسرے دوست نے سمجھاتے ہوئے انداز سے کہا: "تکرار بے سُود ہے کیوں کہ ہم تینوں دوست ہیں اور ایک ہی منزل کے راہی ہیں اس لیے اس مال کو ہمیں زادِ راہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیے اور جو بچے گا اس کی تقسیم کے بارے میں منزل پر پہنچنے کے بعد فیصلہ کریں گے۔"

اگرچہ اس کی وہ تجویز اچھی تھی لیکن نیت اچھی نہیں تھی۔ اس نے دونوں دوستوں کو اس بات پر قائل کیا کہ اس مال کے ملنے کی خوشی میں انھیں دعوت اُڑانی چاہیے اس لیے ان میں سے ایک قریبی آبادی میں جا کر کچھ اچھا سا کھانا لائے۔ جس نے سب سے پہلے تھیلی دیکھی تھی اس نے فوراً ہامی بھری کیوں کہ اس کے دماغ میں بھی لالچ کے تحت ایک منصوبہ تھا۔ وہ شہر گیا کھانا خریدا لیکن کچھ زہر بھی خرید لیا۔ اس نے وہ زہر کھانے میں ملا دیا کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ اشرفیاں اسے ملی تھیں اس لیے ان پر اس کا ہی حق ہے۔ اُدھر دونوں دوستوں نے منصوبہ بنایا کہ وہ بار بار اپنے زیادہ حق کی بات کر تا رہا تھا اس لیے اسے راستے سے ہی ہٹا دیا جائے۔ کھانا لینے جانے والا دوست کھانا لے کر جب وہاں پہنچا تو وہاں موجود دونوں دوستوں نے اس پر حملہ کیا اور ڈنڈے پتھر مار مار کر اسے ہلاک کر دیا۔

فارغ ہونے کے بعد کھانا کھانے لگے۔ کھانا کھاتے ہی ان کی حالت بگڑنا شروع ہوئی اور کھانے میں زہر کی وجہ سے وہ دونوں بھی اپنے انجام کو پہنچے۔ یوں لالچ اور حرص نے تینوں کی جان لے لی اور اشرفیوں کی تھیلی وہیں پڑی رہی جو تینوں میں سے اب کسی کے کام کی نہ تھی۔ سچ کہتے ہیں کہ لالچ بری بلا ہوتی ہے۔

نتیجہ: لالچ بُری بلا ہے۔

6. دودھ میں پانی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک گوالا تھا، جو ایک پہاڑ، کے دامن میں رہتا تھا، وہیں اپنی گائیں بھی رکھتا تھا۔ دن بھر گائیں ادھر ادھر گھاس چرتی رہتیں۔ شام سے ذرا پہلے دودھ دوہتا اور اس میں بہت سا پانی ملا دیتا۔ قریب ہی ایک قصبہ تھا، شام کے اندھیرے میں دودھ لے آتا اور خالص دودھ کی صَدا لگا کر بیچ دیتا۔ ضرورت کی چیزیں خریدتا اور واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا۔ دودھ کے گاہک اکثر شکایت کرتے کہ دودھ پتلا ہے، اس میں پانی نہ ملایا کرو، مگر گوالا تھا کہ اس کان سنتا، اس کان اُڑا دیتا اور کہتا تو یہی کہتا دودھ خشک تو ہوتا ہی نہیں۔ دودھ میں پانی کی ملاوٹ قدرتی امر ہے، میں پانی ملانے والا کون ہوں۔

اسی طرح ایک عرصہ گزر گیا۔ گوالے کے پاس بہت سا روپیہ جمع ہو گیا اور اسے اپنی دولت مندی کا احساس ہونے لگا۔ اب وہ تن کر چلتا اور اینٹھا اینٹھا پھرتا۔ کسی کی شکایت پر کان نہ دھرتا۔ لالچ بڑھتا گیا اور وہ دودھ میں پہلے سے زیادہ پانی ملانے لگا۔

ایک دن یکایک سیاہ گھٹا اٹھی، بڑھی، پھیلی اور آسمان پر چھا گئی۔ سورج کو اپنی لپیٹ میں لیا اور ہر طرف تاریک شامیانہ تن دیا۔ گوالا بہت خوش ہوا کہ اب مینہ برسے گا، گھاس بڑھے گی۔ گائیں کھائیں گی اور زیادہ دودھ دیں گی۔ بس وارے نیارے ہو جائیں گے۔

بادل گرجا، بجلی چمکی، بوندیں ٹپکیں اور موسلا دھار بارش ہونے لگی، اولے پڑنے لگے اور ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ پہاڑوں سے پانی کا سیلاب اترا اور اس شدّت سے بڑھا کہ گوالے کی ساری گائیں اور جو کچھ گھر میں جمع تھا، بہا کر لے گیا۔ اب گوالے کے پاس نہ گائیں تھیں، نہ نقدی، پریشان تھا اور گھبراہٹ میں ہر شخص سے کہتا تھا کہ میں نے ایسا سیلاب نہ کبھی دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ معلوم نہیں اتنا پانی کہاں سے آ گیا؟ ایک عقل مند نے سنا تو کہا" یہ وہی پانی ہے جو تم دودھ میں ملایا کرتے تھے۔ خدا نے اسی پانی کو سیلاب بنایا اور تمھیں بے ایمانی اور بد دیانتی کی سزا دی"۔

نتیجہ: لالچ بُری بلا ہے۔

7. ہرنی کی دعا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شام قریب تھی، سُبکتگین اپنے فرائض سے فارغ ہوا، گھوڑے کو لگام دی اور اچک کر سوار ہو گیا۔ شہر سے نکلا، جنگل کی ٹھنڈی ہوا لگی، دماغ تازہ ہوا، گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جنگل میں داخل ہو گیا۔ ہر طرف گھوڑا دوڑایا، مگر کوئی شکار نظر نہ آیا۔ مغرب کی طرف دیکھا تو سورج کو غروب ہوتے پایا۔ فوراً شہر کی طرف باگ موڑی اور آہستہ آہستہ جنگل کو طے کرنے لگا۔ ناگہاں سُبکتگین کی نظر ایک ہرنی پر پڑی جو اپنے چھوٹے سے بچے کو کھلا رہی تھی۔ شکاری، جب شکار دیکھ لیتا ہے تو صبر اس سے رخصت ہو جاتا ہے۔ سُبکتگین نے گھوڑے کو اشارہ کیا۔ وہ سدھایا ہوا جانور، اپنے مالک کے اشارے پر اچھلا اور ہرنی کی طرف چل پڑا۔ ہرنی نے شکاری کو دیکھا تو بچے کو ساتھ لے کر بھاگی۔ خود تو بھاگ گئی مگر بچہ وہیں رہ گیا۔ یہ ابھی چند دن کا تھا، اس کی ٹانگیں کمزور تھیں۔

سُبکتگین نے سوچا۔ خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے کہ اس بچے کو پکڑ لیا جائے۔ چنانچہ وہ گھوڑے سے نیچے اترا، بچے کو پکڑا، اس کی ٹانگیں باندھیں اور گھوڑے پر رکھ کر سوار ہو گیا۔ گھوڑا شہر کے قریب آن پہنچا۔ سُبکتگین کو ایک سوگوار سی آواز سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، ہرنی اپنے بچے کے لیے اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

ماں کی یہ محبت دیکھ کر سُبکتگین کا دل پسیجا۔ شاید اسے اپنی ماں سے بچھڑنے کا وقت یاد آ گیا۔ اس نے گھوڑا روکا، ہرنی کے بچے کی ٹانگیں کھولیں اور اسے زمین پر ڈال دیا۔ بچہ دوڑا اور اپنی ماں سے جا ملا۔ ماں اسے چاٹ رہی تھی، پیار کر رہی تھی اور کبھی کبھی سُبکتگین کی طرف دیکھ کر آسمان کی طرف منہ اٹھاتی جیسے دعا مانگ رہی ہو۔ سُبکتگین نے کچھ دیر یہ نظارہ دیکھا۔ پھر اندھیرے کو ہر طرف سے بڑھتے پایا۔ سورج بھی غائب ہو چکا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگ اٹھائی اور جلد ہی شہر میں داخل ہو گیا اور اپنے گھر پہنچ گیا۔ رات نے پر پھیلا دیئے۔ سارا شہر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ دن بھر کا تھکا ہارا سُبکتگین بھی اپنے بستر پر نیند کے مزے لے رہا تھا کہ ایک بزرگ آئے سُبکتگین کو دیکھا، السلام علیکم کہا اور بتایا کہ سُبکتگین ہرنی کی دعا قبول ہو گئی، اب تو اور تیری اولاد ایک مدت تک غزنی پر حکومت کرے گی۔ بزرگ یہ خوشخبری سنا کر چلا گیا تو سُبکتگین کی

آنکھ کھل گئی۔ خواب کے واقعے پر غور کیا، مگر کچھ سمجھ نہ آیا۔ وہ اس خواب کو بھول جانا چاہتا تھا، مگر بھول نہ سکا۔ آخر وہ دن آگیا کہ الپتگین حاکم غزنی فوت ہوا اور سبکتگین سر پر تاج رکھ کر غزنی کا بادشاہ بن گیا۔

نتیجہ: **احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔** **نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔**

8. احسان کا بدلہ احسان

اگلے وقتوں کی بات ہے کہ ایک مسافر کسی جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ اسے کسی جانور کے کراہنے کی آواز آئی۔ وہ ڈرتے ڈرتے آواز کی طرف گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیر ہے جو جُھنڈے کے کنارے پڑا ہے اور تکلیف کے مارے کراہ رہا ہے۔ مسافر نے غور کیا تو دیکھا کہ شیر کے ایک پاؤں میں پہاڑی کیکر کا نٹا چبھا ہوا ہے جو اہوا ہے جو پاؤں کے آر پار ہو گیا ہے۔ مسافر کے دل میں خیال آیا کہ جو ہو سو ہو شیر کو اس تکلیف سے نجات دلانی چاہیے۔ چناں چہ اس نے ہمت کی اور ڈرتے ڈرتے شیر کے پاؤں سے کانٹا نکال دیا۔ کانٹے کا نکلنا تھا کہ شیر نے مسافر کی جانب شکر گزاری کی نظروں سے دیکھا اور جنگل کی طرف چلا گیا اور جلد ہی جنگل میں غائب ہو گیا۔

اب اس کہانی کا دوسرا حصہ سنیے۔ ہوا یوں کہ بادشاہ نے ایک آدمی کو اپنا دشمن جان کر یہ سزا سنائی کہ اسے بھوکے شیر کے پنجرے میں ڈال دیا جائے۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن یہ کیا، بھوکے شیر نے بجائے اس کے کہ اس شخص کی تکا بوٹی کر کے اسے کھا جائے، اس کے پاؤں چاٹنا شروع کر دیے۔ ارد گرد کے لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ہوتے ہوتے یہ خبر بادشاہ تک پہنچی۔ اس نے آکر بچشم خود دیکھا اور جو سنا تھا، اسے سچ پایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو رہا کر دیا جائے اور میرے حضور پیش کیا جائے۔ جب معتوب شخص بادشاہ کے روبرو پیش کیا گیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ بھوکے شیر نے تمھیں کھانے سے انکار کر دیا ہے اور تمھارے پاؤں چاٹ رہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس شخص نے بادشاہ بتایا:

جہاں پناہ! کچھ عرصہ پہلے میں ایک جنگل سے گزر رہا تھا تو مجھے کسی جانور کے کراہنے کی آواز آئی، جیسے کوئی جانور بہت تکلیف میں ہو۔ میں نے دیکھا تو وہ ایک شیر تھا، جس کے پاؤں میں پہاڑی کیکر کا ایک بہت بڑا کانٹا چبھا تھا اور جو پاؤں میں آر پار ہو گیا تھا۔ میں نے ہمت کر کے شیر کے پاؤں میں سے کانٹا نکال دیا تو شیر کی آنکھوں میں ممنونیت کے آنسو آگئے اور وہ درد سے نجات پا کر جنگل میں غائب ہو گیا۔ آج جب مجھے شیر کے پنجرے میں ڈالا گیا تو شیر نے مجھے کھانے سے انکار کر دیا۔ دراصل یہ وہی شیر ہے جس پر میں نے احسان کیا تھا۔ آج شیر نے مجھے احسان کا بدلہ دیا ہے۔"

بادشاہ اس شخص کی داستان سن کر بڑا متاثر ہوا اور اس نے اس شخص کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اسے اپنا درباری بنا لیا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ: احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔

نتیجہ: **احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔**

9. نادان کی دوستی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی ملک میں ایک بہت امیر آدمی رہتا تھا۔ دولت کی کثرت کی وجہ سے دولت مندوں کے شوق بھی نرالے ہوتے ہیں اور وہ طرح طرح سے اپنی اَمارت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اُس امیر آدمی کو جانوروں کا بے حد شوق تھا۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتا، واپسی پر چھوٹا بڑا جانور یا پرندہ اُسے پسند آتا، خرید لاتا۔

ایک دن کسی سفر سے واپسی پر وہ بندر کا ایک بچہ خرید لایا اور اس کی دیکھ بھال میں کافی دل چسپی لینے لگا۔ بندر بہترین نَقّالؔ ہوتے ہی ہیں اس لیے جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ بندر اپنے مالک کی تربیت کے مطابق اس کے ہر اشارے کو بخوبی سمجھنے لگا۔ اُس امیر آدمی نے بندر کو دیگر جانوروں سے الگ کر لیا اور ہر سفر پر اسے اپنے ساتھ لے جاتا۔ بندر بھی دوران سفر اور گھر میں اپنے مالک کے اشاروں پر اس کی خدمت کرتا رہتا تھا۔ اس لیے وہ بندر کو اپنا بہترین دوست سمجھنے لگا۔ لوگ اسے سمجھاتے کہ انسانوں کے بہترین دوست انسان ہی ہوتے ہیں لہٰذا وہ اس نادان کی دوستی پر اتنا بھروسا نہ کرے۔ لیکن اسے کسی کی پروا نہ تھی اور اپنے ہر سفر پر بندر کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

ایک دن وہ امیر آدمی اسی بندر کے ساتھ سفر پر تھا۔ دوپہر کے وقت ایک سایہ دار جگہ پر پڑاؤ کیا۔ کھانا کھایا اور تھوڑی دیر آرام کی غرض سے لیٹ گیا۔ امیر آدمی نے بندر کو اشارہ کیا کہ وہ اسے پنکھا جُھلتا رہے تاکہ وہ تھوڑی دیر آرام سے سو سکے۔ بندر نے حکم کی تعمیل کی۔ ایک مکھی جو بار بار آدمی کے چہرے پر آکر بیٹھ جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے آدمی کی نیند میں خَلل پیدا ہونے لگا۔ بندر نے مکھی کو وہاں سے ہٹانے کی کافی کوشش کی لیکن وہ وہیں بھنبھناتی رہی۔ بندر کو غصہ آگیا۔ اس نے پنکھا ایک طرف رکھا اور آہستہ سے اپنے مالک کا خنجر اٹھا کر مکھی کے بیٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر بھنبھنانے کے بعد وہ مکھی آدمی کی ناک پر جا بیٹھی۔ بندر بھی اسی انتظار میں تھا۔ اس لیے اس

نے فوراً خنجر سے وار کیا۔ آدمی کی دردناک چیخ اور چہرے پر خون سے اسے سمجھ آیا کہ مکھی کی بجائے اس نے تو اپنے مالک کی ناک کاٹ دی تھی۔ اس کے بعد وہ امیر آدمی جہاں کہیں بھی جاتا لوگ یہی کہتے کہ یہ تو وہی ہے جس نے نادان کی دوستی کی وجہ سے اپنی ناک کٹوائی۔

نتیجہ: نادان کی دوستی ہمیشہ خطرناک ہوتی ہے۔

10. عادت کی خرابی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی جنگل میں بہت سارے جانور رہتے تھے۔ اکثر جانوروں کی باہمی دوستیاں تھیں اور مصیبت میں ایک دوسرے کے کام آتے تھے۔ جنگل میں حشرات الارض اور کچھوؤں مینڈکوں کی بھی کمی نہ تھی۔ ایک بچھو اور کچھوے میں گہری دوستی تھی۔ کچھوے کو قدرت نے خوبی دی ہے کہ وہ پانی اور خشکی دونوں پر رہ سکتے ہیں لہٰذا کچھوے کا جب جی چاہتا وہ جنگل کی سیر کرتا اور جی چاہتا تو جنگل کے قریب بہنے والے دریا میں زندگی کے مزے لوٹتا۔ بچھو اپنے دوست کچھوے کی اس زندگی پر رَشک کرتا تھا۔ ایک دن اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے کچھوے سے کہا: "یار! ہمیں بھی کسی دن دریا کی سیر کراؤ۔"

کچھوے نے حیرانی سے کہا: "کیا تم تیرنا جانتے ہو؟"

بچھو نے جواب دیا: "اگر تیرنا جانتا ہوتا تو تمھیں کیوں کہتا۔"

کچھوا بولا: "پھر تم دریا کی سیر کیسے کر سکتے ہو۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم دریا کا نظارہ قریب ہی سے کر لو۔"

بچھو نے کہا: "میرے پاس ایک ترکیب ہے۔ کیوں نہ تم مجھے اپنی پیٹھ پر سوار کر لو اور اگر تم پانی کی سطح پر تیرتے رہو گے تو مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس طرح سے ہم دونوں ایک ساتھ دریائی سیر سے لُطف اٹھائیں گے۔"

کچھوے نے بچھو کی بات سے اتفاق کر لیا۔ وہ دونوں دریا کے کنارے پر پہنچے۔ کچھوے نے بچھو کو اپنی پیٹھ پر سوار کیا اور پانی میں اُتر گیا۔ بچھو دریا کی سیر سے بہت خوش تھا اور کچھوا اپنے دوست کی خوشی میں خوش تھا۔

دریا میں کچھ دور جانے کے بعد کچھوے نے اچانک اپنی پیٹھ پر کَھٹ کَھٹ کی آواز سنی۔ دراصل بچھو کچھوے کی پیٹھ پر زور زور سے ڈنگ مار رہا تھا۔ کچھوے نے جب دوبارہ وہی آواز سنی تو اس نے بچھو سے پوچھا: "یہ آواز کیسی ہے؟" بچھو نے جواب دیا: "یار! تمھیں تو پتا ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کسی شے کو ڈنگ مارنا میری عادت ہے۔ اس لیے تمھاری پیٹھ پر ڈنگ مار رہا ہوں۔" کچھوے نے اسے سمجھایا اور باز رہنے کے لیے کہا لیکن وہ اپنی حرکت سے باز نہ آیا۔ آخر کار تنگ آکر کچھوے نے پانی میں غوطے لگانا شروع کر دیے۔ بچھو کو جب ایک دو غوطے آئے تو اس نے کچھوے سے کہا: "یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اس طرح سے تو میں مر جاؤں گا۔" کچھوے نے جواب دیا: "یار! تمھیں تو پتا ہے کہ پانی میں غوطے لگانا میری عادت ہے اور میں اپنی عادت سے باز نہیں رہ سکتا ہوں۔"

اگلے ہی لمحے بچھو پانی میں ڈُبکیاں کھاتے ہوئے دریا کی تہ میں جا پہنچا۔ اس طرح بچھو کو اپنی خرابی عادت کی سزا مل گئی۔

نتیجہ: جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

11. نااتفاقی کا انجام

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ صمد و ایک غریب کسان تھا۔ اس کے پاس صرف دو بیل تھے، انہیں ہل میں جوتتا اور کنویں میں جوڑتا تھا۔ کام کرتے تھک جاتا تو بیلوں کو تھان پر باندھ کر لمبی تان کر سو جاتا۔ نہ وقت پر پانی پلاتا، نہ پیٹ بھر کر چارا کھلاتا۔ دونوں بیل روز بروز لاغر ہوتے جا رہے تھے، مگر صمد و کو پروا نہ تھی۔ ایک رات بیلوں نے سوچا کہ یہاں رہے تو سوکھ سوکھ کر مر جائیں گے بہتر ہے کہ صمد و کو چھوڑیں اور جنگل سے رشتہ جوڑیں۔ چنانچہ انھوں نے دانتوں سے اپنے رسے کاٹے اور چپ چاپ جنگل کی راہ لی۔ جنگل کی آزاد فضا اور گھاس کی کثرت دیکھ کر خوش ہو گئے۔ خوب پیٹ بھر کر کھایا اور پاؤں پھیلا کر سو رہے۔ اسی طرح دو ایک مہینے گزر گئے اور دونوں بیل دو سانڈ بن گئے۔ ان کے لیے ہر دن عید اور ہر رات شِب برات تھی۔

ایک دن ایک بھولا بھٹکا شیر اُدھر نکل آیا۔ دو موٹے تازے بیل دیکھے، خوش ہو گیا اور لگا دہاڑنے۔ بیل بھی شیر کو دیکھ کر ڈکارے اور اپنے سینگ لہراتے ہوئے مقابلے کو تیار ہو گئے۔ شیر جست لگاتا تو دونوں بیل اسے سینگوں پر لیتے بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر شیر کا سارا جسم زخمی ہو گیا اور بال بال سے خون رِسنے لگا۔ اس نے مقابلہ چھوڑا اور چپ چاپ ایک طرف کو کِھسک گیا۔ بیلوں نے اللہ کا شکر ادا کیا، گھاس سے پیٹ بھرا اور ایک درخت کے سائے میں لیٹ کر سو گئے۔ اب دونوں بیلوں کی تھکن دور ہو چکی تھی۔ اپنی طاقت پر

مغرور تھے۔ ایک دن شیر سے لڑائی کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک بیل نے کہا: "میری طاقت نے شیر کو بھگایا، تم تو بس اپنا بچاؤ کرتے رہے۔" دوسرے نے جواب دیا: "واہ! یہ میرے ہی سینگوں کی برکت تھی کہ شیر جدھر پینترا بدل کر حملہ کرتا تھا، میرے سینگ ادھر ہی سے اس کے حملے کو رَد کر دیتے تھے۔ تم تو فقط اپنی جان بچاتے تھے"۔

تُوتُو میں میں سے تلخی اتنی بڑھی کہ دونوں میں اتفاق نہ رہا اور دونوں نے اپنا اپنا الگ راستہ اختیار کر لیا۔ اتنے دنوں میں شیر تندرست ہو چکا تھا اور دور سے ہی بیلوں کو دیکھا کرتا، مگر جب ان میں اتفاق نہ رہا تو شیر کو اپنے وارے نیارے نظر آئے اور ایک بیل کی تاک میں گھات لگا کر بیٹھ گیا، جونہی بیل چَرتا ہوا قریب آیا تو شیر نے جست لگائی اور ایک ہی پنجے سے گردن توڑ کر رکھ دی۔ اگلے دن اٹھا اور دوسرے بیل کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ بیل بھی اسے جلد ہی مل گیا۔ شیر ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا بیل بے خبر چَر رہا تھا۔ وہ جونہی جھاڑی کے قریب آیا، شیر انگڑائی لے کر اٹھا اور چھلانگ لگا کر بیل کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔ بیل نے بہتیرا جھٹکا، سینگ ہلائے، مگر شیر نے اپنے پنجوں سے اس کی کھال نوچ رکھی تھی اور ایک پنجہ اس زور سے گردن پر مارا کہ گردن ایک طرف لڑھک گئی اور بیل زمین پر گر کر مر گیا۔ شیر نے اس کا گوشت کھایا، لہو پی کر اپنی پیاس بجھائی اور ایک طرف کو نکل گیا۔

نتیجہ: اتفاق میں برکت ہے۔ نِفاق باعث ہلاکت ہے۔

12. عقل مند بیوی

دوپہر اور چلچلاتی دھوپ، گرمی شَباب پر تھی۔ ایک بڑھیا لاٹھی کے سہارے چلتی ہوئی آئی اور ایک بزاز کی دکان پر بیٹھ گئی۔ دکاندار نے ہانپتی ہوئی بڑھیا کو پانی پلایا اور گاہکوں کو کپڑا دکھانے میں مصروف ہو گیا۔ بڑھیا بیٹھی رہی اور گاہکوں کی گفت گو سنتی رہی۔ گاہک چلے گئے تو بزاز نے اپنے نوعمر ملازم سے کہا یہ لو بُرقع گھر میں دے دینا اور کہنا کہ فلاں صندوق میں کپڑے کا ایک تھان رکھا ہے وہ نکال کر دے دیں گاہک کو دینا ہے۔

ملازم نے برقع لیا اور دکان سے نیچے اترا۔ بڑھیا بھی اٹھی اور چل دی۔ اب ملازم آگے آگے اور بڑھیا پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ جونہی دوکان سے ذرا دور ہوئی، اس نے ملازم کو آواز دے کر ٹھہرایا اور باتوں باتوں میں بزاز کا گھر دریافت کر لیا۔ اچانک بڑھیا کو کچھ یاد آتا۔ ملازم سے بولی: "میرے اچھے بیٹے! میں تمھاری دکان پر اپنی نقدی کی پوٹلی بھول آئی ہوں۔ ذرا دوڑ کر جاؤ اور لے آؤ، ایسا نہ ہو کہ کوئی اور لے جائے۔ یہ برقع مجھے دو اور جلدی آنا۔ میں یہیں کھڑی انتظار کرتی ہوں۔"

ملازم بڑھیا کی باتوں میں ایسا آیا کہ اس نے بُرقع بڑھیا کو دیا اور دکان کی طرف چل دیا۔ بڑھیا نے موقع غنیمت سمجھا اور جلدی جلدی قدم اٹھاتی ہوئی بزاز کے گھر آ پہنچی۔ دروازہ کھٹکھٹایا بزاز کی بیوی نے دروازہ کھولا اور پوچھا: "بڑی بی! کیا بات ہے؟"

بڑھیا نے کہا: "یہ لو برقع! تمھارے خاوند نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ جلدی سے فلاں صندوق میں سے ایک تھان نکال کر دے دو۔ گاہک دکان پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔"

بزاز کی بیوی نے برقع لے لیا اور کہا: "تو جانے کون ہے؟ میں تجھے تھان نہیں دوں گی۔"

بڑھیا نے بہتیرا کہا۔ میں دکان سے آرہی ہوں۔ ملازم مصروف تھا، اس لیے مجھے ہی آنا پڑا، مگر بزاز کی عورت ٹَس سے مَس نہ ہوئی۔ آخر بڑھیا نے کہا: "تھان نہیں دیتی ہو تو برقع ہی دے دو۔ میں دکان پر دے دوں گی۔" بزاز کی بیوی نے کہا: "برقع میرے خاوند نے بھیجا ہے، میں نے لے لیا ہے۔ اب میں تجھے نہ برقع دے سکتی ہوں نہ تھان۔"

بڑھیا نے سوچا کہ یہ فریب میں نہیں آئے گی۔ ملازم پہنچ گیا تو پولیس کے حوالے ہونا پڑے گا۔ چپکے سے بھاگی اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس روز سارے شہر میں ڈُونڈی پِٹ گئی کہ ایک کُٹنی شہر میں گھسی ہوئی ہے۔

نتیجہ: دانائی بہترین حکمت عملی ہے۔

13. کوّے کا انتقام

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوّوں کا ایک جوڑا کسی جنگل میں ایک درخت پر رہتا تھا۔ جنگل میں ہر طرح کے جان دار رہتے تھے۔ جس درخت پر کوّوں کا گھونسلا تھا اس کی جڑ میں ایک سانپ بھی رہتا تھا۔ وہ سانپ بہت زہریلا تھا اور بہت بڑا بھی۔ اس لیے اکثر و بیشتر دیگر چھوٹے جانداروں کو تنگ کرتا رہتا تھا۔ تمام چھوٹے جان دار اس سے بہت تنگ تھے کیوں کہ وہ ہر کسی کو اپنی خوراک بنانے کی فکر میں رہتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنی برادری یعنی چھوٹے سانپوں کو بھی معاف نہ کرتا اور انھیں بھی ہڑپ کر جاتا تھا۔

کوّوں کے گھونسلے میں انڈوں سے جب ننھے ننھے بچے نکلے تو وہ بہت خوش تھے۔ نر کوّا اس خوشی میں پُھولے نہیں سما رہا تھا لیکن مادہ کوّا اچانک پریشان ہو گئی۔ نر کوّے نے اس سے اس اچانک پریشانی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: "کیوں نہ ہم یہ درخت چھوڑ دیں اور کسی دوسرے درخت پر اپنا گھونسلا بنا لیں۔"

نر کوّے نے کہا: "وہ کیوں؟" مادہ کوّے نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے جواب دیا: "کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اس درخت کی جڑ میں وہ زہریلا سانپ ہے جو ہر کسی کو اپنی خوراک بنانے کی فکر میں رہتا ہے۔"

نر کوّے نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: "تم اطمینان رکھو! ہمارا گھونسلا بہت اونچی شاخ پر ہے۔ سانپ یہاں تک نہیں پہنچ پائے گا۔" لیکن مادہ کوّا ماں تھی اور اسے تسلی نہیں ہو رہی تھی اور وہ درخت چھوڑنے پر بار بار اصرار کر رہی تھی۔ اُس کے بار بار اصرار پر نر کوّے نے کہا: "دیکھو! تم پریشان نہ ہو۔ ہم دونوں ایک ہی وقت میں گھونسلا نہیں

چھوڑیں گے۔ بچوں کے لیے ایک خوراک کا انتظام کرے گا جب کہ دوسرا ان کی نگرانی کے لیے گھونسلے میں ہی رہے گا۔" کوّے اسی منصوبے پر عمل کرتے رہے اور دن گزرتے رہے۔ ننھے بچے بھی اب قدرے بڑے ہو گئے تھے اور گھونسلے میں اٹھکیلیاں کرتے رہتے تھے۔ ان کی اس ہلچل سے سانپ کو بھی ان کی موجودگی کا احساس ہو چکا تھا اور وہ موقع کے انتظار میں تھا۔

چند دن سکون سے گزرنے کی وجہ سے کوّے بھی اطمینان میں تھے کہ اب ان کے بچوں کو خطرہ نہیں ہے۔ اس لیے ایک دن وہ بچوں کو تنہا چھوڑ کر دونوں ہی خوراک کی تلاش میں نکل گئے۔ سانپ کو موقع ملا، وہ درخت پر چڑھا اور کوؤں کے بچوں کو ہڑپ کر گیا۔ جب شام کو کوؤں کا جوڑا واپس آیا تو بچوں کو وہاں نہ دیکھ کر بہت دکھی ہوئے۔ وہ سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو یہ اسی سانپ کی ہی حرکت ہے۔ مادہ کوّے نے کہا: "ہمیں اب تو اپنا ٹھکانا تبدیل کر لینا چاہیے۔" لیکن نر کوّا انتقام کی آگ میں جل رہا تھا، وہ مادہ کوّے کی یہ تجویز تب بھی نہ مانا۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ وہ وہاں سے اُڑا اور اُڑتے اُڑتے شاہی محل کی منڈیر پر جا بیٹھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ایک جگہ کھونٹی پر ایک قیمتی ہار لٹک رہا تھا۔ اس نے پُھرتی سے وہ ہار چونچ میں دبایا اور محل کے اوپر جا کر بیٹھا تاکہ سپاہیوں کی توجہ حاصل کر سکے۔ سپاہیوں کی جب اس پر نظر پڑی تو انھوں نے ہار کی واپسی کے جتن شروع کیے۔ پیادے دوڑے لیکن کوّے نے بھی اپنے گھونسلے کی طرف اُڑنا شروع کر دیا۔ پیادوں نے ہمت نہ ہاری وہ بھی کوّے کے تعاقب میں بھاگتے رہے۔ کوّا جب درخت کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سانپ اپنے بل سے باہر تھا اور پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ کوّے نے انتہائی ہوشیاری سے وہ ہار سانپ کے پھن میں ڈال دیا اور خود اپنے گھونسلے میں جا چھپا۔ اسی اِثنا میں پیادے بھی وہاں پہنچ گئے۔ سانپ کے پاس مہلت ہی نہ تھی کہ وہ ہار کو اپنے پھن سے نکال سکتا اس لیے وہ ڈر کے مارے ہار سمیت اپنے بل میں گھس گیا۔

پیادے، جنھوں نے ہار کے لیے اتنی بھاگ دوڑ کی تھی وہ خالی ہاتھ کیسے واپس جا سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے آن کی آن میں سانپ کا بل کھود ڈالا، سانپ کو مار دیا اور ہار لے کر واپس چلے گئے۔ کوّے نے بھی خوب انتقام لیا۔ بچے تو واپس نہ آسکتے تھے لیکن اس اِنتقام سے نہ صرف اس کے دل کو سکون ملا بلکہ دوسرے جان داروں کو بھی اس بلا سے نجات مل گئی۔

نتیجہ: **آدلے کا بدلہ۔** **جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔**

14. نیبو نچوڑ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی قصبے سے باہر ایک مرکزی شاہراہ پر ایک ہوٹل تھا۔ وہ ہوٹل اتنا بڑا تو نہ تھا کہ وہاں رات کے وقت بھی قیام کیا جا سکے البتہ کچھ دیر سُستانے، کھانا کھانے اور چائے پینے کے لیے مسافروں کے لیے ایک اچھی سہولت گاہ تھی۔ دن کے اوقات میں شاہراہ قدرے مصروف گزر گاہ کی حیثیت رکھتی تھی اس لیے مسافروں کا اس ہوٹل میں تانتا بندھا رہتا تھا۔

عام بات ہے کہ ہجوم والی جگہوں پر نوسربازوں کی بھی کمی نہیں ہوتی ہے۔ ہر نوسرباز اپنے اپنے انداز میں سادہ لوح افراد کو ٹھگنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتا ہے۔ اس لیے ہوٹل کے آس پاس مُفت خوروں کی بھی کمی نہ تھی۔ وہ مُفت خورے طرح طرح کے بہانوں سے سادہ لوح گاہکوں سے اپنی پیٹ پوجا کر لیتے تھے۔ ایک دن ایک مسافر اس ہوٹل میں پہنچا۔ ایک مُفت خورے نے پہچان لیا کہ وہ اس علاقے میں نیا تھا۔ پہلے تو آگے بڑھ کر اس نے سامان اُٹھوانے میں مدد کی پیشکش کی۔ انکار کے باوجود اس نے مسافر کا مختصر سا سامان زبردستی پکڑتے ہوئے کھانے کی میز تک اس کی راہنمائی کی اور اِدھر اُدھر کی باتوں سے یہ معلوم کر لیا کہ وہ کہاں سے آیا تھا۔ مسافر ہاتھ مُنھ دھونے میں مصروف ہو گیا وہ مُفت خورا کچھ دیر کے لیے دائیں بائیں ہو گیا لیکن نظریں اسی مسافر پر ہی تھیں۔ مسافر ہاتھ مُنھ دھونے کے بعد میز پر آیا اور بیرے کو کھانا لانے کو کہا۔ مفت خورا دور سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی کچھ دیر کے بعد بیرے نے مسافر کے آگے کھانا لا کر رکھا، مفت خورا وہاں پہنچا اور کہنے لگا: "ارے بھئی! آپ کہاں چلے گئے تھے؟ میں تو آپ ہی کو ڈھونڈ رہا تھا۔"

مسافر نے کہا: "وہ کیوں؟ مجھ سے آپ کو کیا کام، میں تو آپ کو جانتا بھی نہیں۔"

مفت خورے نے ہنستے ہوئے کہا: "بھئی! ابھی تو آپ سے ملاقات ہوئی ہے۔ آپ اتنا جلدی مجھے بھول گئے۔ خیر، جہاں سے آپ آئے ہیں، وہاں میرے رشتے دار رہتے ہیں، میں نے تو صرف ان کی خیریت دریافت کرنا تھی۔" اسی اثنا میں باتوں باتوں میں اس نے جیب سے ایک عدد نیبو نکالا اور کہا: "یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں۔"

مسافر اس طرح کی زبردستی جان پہچان پر حیران ہوا اور بولا: "میں آپ کے کسی رشتے دار کو نہیں جانتا ہوں اور سالن میں نیبو مجھے پسند نہیں ہے۔"

مفت خورے نے بلا جواز باتیں شروع کیوں اور کہا: "ارے! سالن کا اصل مزہ تو نیبو میں ہے۔ لاؤ آج آپ کو بھی اس ذائقے سے متعارف کرواتے ہیں۔"

مفت خورے نے جلدی سے نیبو کاٹ کر سالن میں نچوڑ دیا اور چکھنے کی غرض سے ایک لُقمہ اپنے منھ میں ڈال لیا۔ ذائقے کی تعریف کی اور مسافر سے بھی کہا کہ وہ بھی چکھ کر دیکھ لے۔ مسافر نے اپنا کھانا شروع کیا اور مفت خورے نے ذائقے کی تعریف کرتے ہوئے ایک اور لقمہ منھ میں ڈال لیا۔ اس کے بعد وہ کبھی رشتے داروں اور کبھی کھانے کی باتیں کرتا جا رہا تھا اور مسافر کا کھانا کھاتا جا رہا تھا کیوں کہ اس کا اصل مقصد تو مفت خوری ہی تھا۔ جب کھانا ختم ہو گیا تو اس نے کہا: "آپ میرے رشتے داروں کو نہیں جانتے تو کوئی بات نہیں، میں نے بلاوجہ آپ کا اتنا وقت ضائع کیا۔"

مفت خور تو کھانا کھا کر اور ڈکار مار کر چلا گیا لیکن مسافر دل میں اسے لَعن طَعن کر رہا تھا کہ کیسا بے شرم اور بے غیرت شخص تھا کہ نیبو نچوڑنے کے بہانے اس کا سارا کھانا ختم کر گیا۔

نتیجہ: **مُفت خوری باعثِ ذلت ہے۔**

15. ایسے کا تیسا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک سادہ لوح دیہاتی کسی ضروری کام سے شہر گیا۔ پورا دن مصروف گزرا۔ واپسی پر خیال آیا کہ بچوں کے لیے مٹھائی لیتا جائے۔ اس لیے وہ ایک حَلوائی کی دکان پر پہنچا۔ وہ حلوائی فطرتاً بے ایمان تھا اور سادہ لوح گاہکوں سے مال بٹورنے کے مختلف طریقے استعمال کرتا رہتا تھا۔ جیسے ہی وہ دیہاتی اس کی دکان میں داخل ہوا حلوائی اس کے حلیے، چال ڈھال اور لباس سے بھانپ گیا کہ اس کو ٹھگا جا سکتا ہے۔ بہر حال دیہاتی نے حلوائی سے مٹھائی کا بھاؤ پوچھا اور دو کلو مٹھائی تولنے کے لیے کہا۔

حلوائی کی مَکاری اس پر غالب آئی اور اس نے پہلے تو دیہاتی کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے شیشے میں اتارنے کی کوشش کی اور پھر دِکھاوے کے لیے جدید طرز کے ترازو پر مٹھائی کا وزن کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ دیہاتی اس کے ترازو کو سمجھنے میں ناکام رہے گا اور اس طرح اسے کم مٹھائی دے کر زیادہ پیسے وصول کرلے گا لیکن وہ اس کی چالاکی کو اچھی طرح سمجھ گیا اور حلوائی سے تول پورا کرنے کے لیے کہا۔ حلوائی بضد تھا کہ اس نے تول پورا کیا ہے۔ جب حلوائی نے دیکھا کہ دیہاتی کسی بھی طرح اس کی باتوں میں نہیں آرہا ہے تو اس نے مٹھائی کا تھیلا اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا: ”بھائی میں نے مٹھائی کا وزن پورا ہی کیا ہے اور اگر آپ کا خیال ہے کہ یہ کم ہے تو آپ کے لیے اچھا ہے کیوں کہ آپ کو دورانِ سفر زیادہ وزن اٹھانا نہیں پڑے گا۔“

دیہاتی نے بھی ترازو پر کیے گئے وزن کے مطابق اسے پیسے دیے۔ حلوائی نے کم پیسوں کی شکایت کی تو اس نے بَرجستہ جواب دیا: ”بھائی! میں نے پورے گِن کر دیے ہیں۔ اگر کم ہیں تو کوئی بات نہیں آپ کو زیادہ گننے نہیں پڑیں گے۔“

حلوائی حیران و پریشان اس کا مُنہ دیکھنے لگا جب کہ دیہاتی نے بڑے اطمینان سے اپنا راستہ ناپا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ایسے کو ہمیشہ تیسا ہی ہے۔

نتیجہ: **ایسے کو تیسا۔**

16. انگور کھٹے ہیں

اَگلے وَقتوں کی بات ہے کہ کسی جنگل میں ایک لومڑی رہتی تھی۔ لومڑیاں تمام جانوروں میں سب سے زیادہ چالاک اور مَکّار سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن یہ بھی قدرتی امر ہے کہ مکاروں کو اکثر منہ کی کھانا پڑتی ہے۔ اس لومڑی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔

ایک دن وہ لومڑی صُبح سویرے ہی کھانے کی تلاش میں نکلی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اس دن معمول سے ہٹ کر کچھ کھائے۔ اس لیے وہ کچھ نرالی خوراک کی تلاش میں تھی۔ جنگل میں کافی دیر ادھر ادھر گھومنے پھرنے کے بعد بھی اسے کھانے کو کچھ نہ ملا لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل کھانے کی تلاش میں رہی۔ آخر کار اسے ایک جگہ انگوروں کی بیل پر انگوروں کے گچھے لٹکتے نظر آئے۔ انگوروں کی وہ بیل ایک بڑے درخت کے سہارے اوپر بڑھ رہی تھی اور درخت کے اوپر پتلی شاخوں پر زیادہ پھیلی ہوئی تھی۔ لومڑی نے انگوروں کے گچھے دیکھے تو منھ میں پانی بھر آیا۔ مَن پسند کھانا جب سامنے ہو تو بھوک اور بھی زیادہ محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہی حال اس لومڑی کا بھی تھا کہ انگوروں کے گچھے جب سامنے دیکھے تو منھ سے رَال ٹپکنے لگی۔ اس لیے اس سے صبر نہیں ہو رہا تھا اور انگوروں تک پہنچنے کی ترکیب سوچنے لگی۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے درخت کے سہارے اوپر چڑھنے کی کوشش کی۔ انگوروں کے گچھے چونکہ بلندی پر تھے اس لیے وہ زیادہ اونچائی تک نہ چڑھ سکی اور ایک پتلی شاخ کے ٹوٹنے سے نیچے آگری۔ اتفاق سے وہ زیادہ بلندی پر سے نہیں گری تھی اس لیے زیادہ چوٹ نہ آئی۔

لومڑی نے اوپر دیکھا تو مختلف پرندے مزے سے انگور کھا رہے تھے۔ اس لیے منھ میں پھر پانی بھر آیا۔ اس نے بِلا سوچے سمجھے زور زور سے اچھلنا شروع کر دیا۔ اسی اچھل کود میں اتفاق سے بیل کی ایک نچلی ڈالی اس کے ہاتھ میں آگئی۔ بد قسمتی سے اس ڈالی پر ایک بھی انگور کا دانہ نہ تھا۔ وہ دیوانہ وار اُچھلتی رہی اور ہر بار ناکام ہوتی رہی۔ آخر کار اُچھل اُچھل کر جب وہ تھک گئی تو خود سے کہا: ”واہ ری بی لومڑی! تم ایسے ہی اُچھل اُچھل کر ہَلکان ہوتی جا رہی ہو، حالاں کہ یہ تو انگور ہی کھٹے ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ لومڑی ایک طرف کو چلی گئی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ جب انگور ہاتھ نہ آئیں تو پھر انگور کھٹے ہی ہوتے ہیں۔

نتیجہ: **آخ تھو کھٹے ہیں۔** **انگور کھٹے ہیں۔**

17. دو بکریاں

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی قدرتی چراہ گاہ میں مختلف اقسام کے جانور رہتے تھے۔ چراہ گاہ کا ماحول نہایت پُر امن تھا اس لیے تمام جانور مکمل آزادی سے اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے تھے۔ چراگاہ کے بیچ و بیچ ایک ندی بہتی تھی۔ ندی کے دونوں طرف جانور رہتے تھے۔ اچھے تیراک جانوروں کے لیے تو ندی پار کرنا کوئی مسئلہ نہ تھا لیکن کچھ ایسے جانور بھی تھے جو تیراکی کے ہنر سے بالکل واقف نہ تھے۔ اس لیے وہ ندی کے دوسری طرف کے مناظر اور کھانوں کا صرف گمان ہی کر سکتے تھے۔ ایک دن ایک بکری کے

دل میں خیال آیا کہ اسے بھی ندی کی دوسری جانب جا کر دیکھنا چاہیے کہ وہاں کی چراہ گاہ میں کس طرح کے کھانے ہیں۔ وہ خدا کے بھروسے نکلی اور ندی کے کنارے تک پہنچی۔ ندی کی لہریں نہایت تیز تھیں لیکن بکری کا ارادہ مصمّم تھا۔ وہ اس پار جانے کا کوئی راستہ ڈھونڈنے کے لیے ندی کے کنارے کنارے چلنے لگی۔ قریب ہی ایک درخت کا تنا ندی کے اوپر آر پار گرا ہوا تھا۔ جو کہ کبھی کسی آندھی یا طوفان سے گرا ہو گا۔ وہ تنا اتنا کم چوڑا تھا کہ ایک وقت میں کوئی ایک ہی اس پر سے گزر سکتا تھا۔

بکری نے اسی تنے پر سے دوسری طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔ آہستہ آہستہ اور احتیاط سے قدم ٹکاتے ہوئے وہ ندی کے عین وَسط تک پہنچ گئی تو اچانک سامنے سے آتی ہوئی ایک اور بکری پر اس کی نگاہ پڑی۔ دونوں اس قدر محتاط تھیں کہ انھوں نے اپنے قدموں کے سوا اِدھر اُدھر دیکھا ہی نہ تھا لیکن اب دونوں کا اپنے اپنے رُخ گزرنا یا کسی ایک کا پیچھے مُڑنا بالکل ناممکن تھا اور ندی کی لہریں نیچے اتنی تیز کہ کسی کو ٹھہرنے اور سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیں اور بہالے جائیں۔ اچانک ایک بکری کو ایک ترکیب سوجھی۔ وہ نہایت احتیاط سے تنے پر بیٹھ گئی۔ دوسری بکری بھی اس کی ترکیب سمجھ گئی اور وہ اس کے اوپر سے گزر کر دوسری طرف کو ہو گئی۔ پھر بیٹھی ہوئی بکری اٹھی اور چل پڑی اس طرح عقل کے استعمال اور صُلح پسندی سے دونوں بکریاں بحفاظت اپنی اپنی منزل تک پہنچ گئیں۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ دانائی اور صلح پسندی بہترین حکمت عملی ہے۔

نتیجہ: صلح پسندی بہترین حکمت عملی ہے۔
دانائی بہترین حکمت عملی ہے۔

18. بے وقوف کچھوا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی جگہ ایک قدرتی تالاب تھا۔ علاقے میں اکثر و بیشتر بارشیں ہوتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے تالاب میں پانی جمع رہتا تھا۔ آس پاس کے جانور اسی تالاب کے پانی سے اپنی پیاس بجھاتے تھے اور فضاؤں میں اڑنے والے پرندے بھی پانی دیکھ کر نیچے اترتے، نہاتے اور اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ مرغابیوں کا ایک غول بھی اکثر و بیشتر اسی تالاب کے پانی سے لُطف اندوز ہوتا اور اپنی خوراک تلاش کرتا تھا۔ تالاب میں کچھوے بھی رہتے تھے۔ ایک کچھوے کی مرغابیوں سے دوستی ہو گئی۔ وہ اپنی قسمت پر نازاں تھا کہ مرغابیوں جیسے پرندے اس کے دوست تھے۔ سبھی کے دن ہنسی خوشی گزر رہے تھے کہ ایک سال بارشیں نہ ہوئیں۔ خشک سالی کی وجہ سے پیڑ پودے مُرجھا گئے اور تالاب خشک ہونے لگے۔ ان حالات میں جانوروں اور پرندوں نے نقل مکانی شروع کر دی اور کچھ مر گئے۔ ایک دن مرغابیوں کا غول اس تالاب پر اترا تو وہ تالاب بھی خشک ہونے کو تھا۔ اس تالاب کے کچھ مینڈک اور کچھوے تو مر گئے تھے اور بیشتر نے حالات کے پیشِ نظر نقل مکانی کر لی تھی۔ وہ کچھوا جس کی مرغابیوں سے دوستی تھی، وہیں تھا۔ ایک مرغابی نے اس سے کہا: "یہ تالاب تو آئندہ چند روز میں خشک ہو جائے گا اس لیے ہم تمھیں الوداع کہتے ہیں۔"

کچھوا بولا: "کیا تم مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے ہو؟"

مرغابی نے جواب دیا: "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تمھارا شمار رینگنے والے جان داروں میں ہوتا ہے جب کہ ہم اُڑنا جانتے ہیں"۔

کچھوے نے لجاجت سے کہا: "اگر تم مرغابیاں چاہو تو میں بھی اڑ سکتا ہوں۔"

اسی دوران ایک دو اور مرغابیاں بھی ان دونوں کی گفتگو میں شامل ہو گئی تھیں۔ ایک مرغابی نے حیرانی سے کہا: "کچھوے بھلا کیسے اڑ سکتے ہیں؟"

کچھوے نے جواب دیا: "اگر دو مرغابیاں ایک لکڑی کو دونوں سروں سے اپنی چونچوں میں دبائیں اور میں لکڑی کو درمیان سے اپنے مُنھ میں دبائے رکھوں تو میں بھی اڑ سکتا ہوں اور اس طرح میں بھی تم سب کے ساتھ کسی دوسرے تالاب تک پہنچ جاؤں گا۔"

مرغابیاں کچھوے کی اس تجویز پر حیران تھیں اور اسے ناممکن کہہ رہی تھیں۔ کچھوے نے اصرار کیا تو دو مرغابیاں آمادہ ہو گئیں۔ کچھوے نے ایک لکڑی کا انتظام کیا۔ مرغابیوں نے لکڑی کو دونوں سروں سے مضبوطی سے پکڑا اور کچھوے نے درمیان سے لکڑی کو مُنھ میں دبا لیا۔ مرغابیاں اڑیں، ترکیب کامیاب ہوئی اور کچھوا دل ہی دل میں خوش تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک آبادی پر سے گزرے۔ لوگ اس انوکھی بات کو دیکھ کر ہنسے۔ کچھوے نے اپنی تعریف کے لیے سوچے سمجھے بغیر مُنھ کھولا اور سیدھا زمین پر جا گرا۔ اس کے زمین پر گرتے ہی چند شرارتی لڑکے دوڑے اور ڈنڈے مار مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ کچھوے نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اپنی جان گنوائی۔

نتیجہ: بے وقوفی کا انجام ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔

19. جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی شہر میں ایک سوداگر رہتا تھا۔ ایک بار اسے تجارت کے لئے سفر پر جانا پڑا۔ اس کے پاس پانچ کلو سونا تھا۔ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے یہ سونا اس نے اپنے ایک دوست کے پاس بطور امانت رکھوا دیا اور کہا کہ وہ سفر سے واپس آ کر اپنی امانت وصول کر لے گا۔

چنانچہ اس کے دوست نے وہ سونا اپنے پاس رکھ لیا اور سوداگر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ دو تین ماہ بعد جب سوداگر سفر سے واپس آیا تو اس نے اپنے دوست سے اپنی امانت واپس طلب کی۔ دوست نے بڑے افسوس سے کہا کہ وہ سونا تو چوہے کھا گئے۔ یہ بات سن کر سوداگر کو بڑی حیرانی ہوئی کہ بھلا چوہے سونا کیونکر کھا سکتے ہیں۔ اسے اپنے اس نقصان کا رنج تو بہت ہوا لیکن اس وقت اس نے کوئی بات نہ کی اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

اس واقعے کو ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ سوداگر کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے اپنے دوست کو بیوی بچوں سمیت اپنے ہاں کھانے پر بلایا اور کھانا کھانے کے دوران میں آنکھ بچا کر اپنے مہمان دوست کے چھوٹے بچے کو کہیں چھپا دیا۔ مہمان نے جب اپنے بچے کو غائب دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ بچے کی تلاش شروع ہوئی تو میزبان نے اپنے مہمان کو بتایا کہ میں نے ابھی ابھی ایک چیل کو دیکھا ہے جو بچے کو پنجوں میں اٹھائے اڑتی جا رہی تھی۔ اس پر مہمان بہت سٹپٹایا اور کہنے لگا" کبھی چیل بھی بچے کو اٹھا کر لے جا سکتی ہے۔ یہ تو بالکل ناممکن ہے اس پر دوست نے جواب دیا" جس شہر کے چوہے پانچ کلو سونا کھا سکتے ہیں اس شہر کی چیلیں بھی بچوں کو اٹھا سکتی ہیں۔ یہ بات سن کر بددیانت آدمی بہت شرمندہ ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنے سوداگر دوست سے اپنی غلطی کی معافی مانگی اور اسے اس کا سونا واپس کر دیا۔ سوداگر نے بھی لڑکا اپنے مہمان دوست کے حوالے کر دیا اور آئندہ کے لئے ایسے آدمیوں کی دوستی سے توبہ کر لی۔

نتیجہ : جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

20. گیدڑ کی مکاری

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی جنگل میں ایک بڑے ڈیل ڈول کا ہاتھی رہتا تھا۔ اسی جنگل میں ایک طرف گیدڑوں کا ایک غول بھی رہا کرتا تھا۔ جب ہاتھی اپنی سُونڈ کو ہلاتا، جُھومتا جُھومتا، چلتا پھرتا تو گیدڑ اسے دور ہی سے دیکھ کر للچاتے اور دل ہی دل میں اس کے گوشت کے مزے لیتے، مگر بس نہ چلتا تھا کہ اتنے بڑے قد آور ہاتھی کے گوشت سے کس طرح لطف اندوز ہوں۔

ایک مدت کی للچاہٹ کے بعد تمام گیدڑ ایک رات جمع ہوئے اور ہاتھی کو مارنے کی فکر کرنے لگے۔ آخر ایک بوڑھے گیدڑ نے ہانک لگائی کہ تم مردہ ہاتھی کا گوشت کھانے کی سوچ رہے ہو۔ میں تمہیں زندہ ہاتھی کا گوشت کھلاؤں گا۔ سارے گیدڑ خوش ہو گئے اور اسی کو اپنا لیڈر بنا لیا۔

رات کا وقت تھا، ہاتھی جنگل میں ٹہل رہا تھا۔ وہی گیدڑ اس کے قریب آیا اور بڑے ادب سے سلام کر کے بولا: "حضور! ہم سب گیدڑوں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیں اور آپ کی حکومت میں امن چین کی زندگی بسر کریں"

ہاتھی نے گیدڑ کی بات سنی اور خوش ہو کر بولا: "ہاں ہاں مجھے منظور ہے۔ چلو سب گیدڑوں کی منظوری لے لیں"۔ غرض ہاتھی گیدڑ کے ساتھ چل پڑا۔ گیدڑ اسے ایک ایسی جگہ لے گیا، جہاں دلدل تھی۔ گیدڑ ہلکا پھلکا جانور چھلانگیں لگاتا ہوا دلدل پر چلنے لگا۔ ہاتھی بادشاہی کے نشے میں دَلدَل میں اترا اور دھنسنے لگا۔ آخر گھٹنوں تک دلدل میں دھنس گیا۔ اب نہ آگے چلنے کا یارا تھا، نہ پیچھے ہٹنے کی طاقت۔

ہاتھی گیدڑ سے چنگھاڑ کر بولا: "گیدڑ نے کہا! آپ بھاری بھرکم ہیں، میں اکیلا تو آپ کو نہیں نکال سکتا۔ حکم ہو تو اپنی قوم کو بلالوں" ہاتھی مرتا کیا نہ کرتا، کہنے لگا: "ہا ں! جلد بلاؤ"۔ گیدڑ نے آواز لگائی اور سینکڑوں گیدڑ آن جمع ہوئے اور لگے ہاتھی کا گوشت کاٹنے اور مزے لے لے کر کھانے۔ ہاتھی نے بہتیری سُونڈ ہلائی، چنگھاڑا مگر گیدڑوں نے وہیں کھڑے کھڑے ہاتھی کا گوشت چٹ کر لیا۔

نتیجہ: خوشامد بُری بلا ہے

21. شیر کا گھر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیر پور کا گاؤں دریا سے ذرا ہٹ کر آباد تھا۔ گاؤں اور دریا کے درمیان سرسبز کھیت تھے۔ دریا پار ایک جنگل تھا، جس میں جنگل کا بادشاہ شیر رہتا تھا اور اس کے ساتھ اور بھی کئی شیر اپنی اپنی کچھار میں دھاڑا کرتے تھے۔ دریا کو کشتی کے ذریعے عبور کیا جاتا تھا کیونکہ دریا پر کوئی پُل نہ تھا۔

شیر پور میں ایک بڑھئی رہتا تھا، جو اپنے کام میں استاد مانا جاتا تھا۔ ایک دن اسے لکڑی کا پنجرا بنانے کے لیے لکڑی کی ضرورت تھی۔ اس نے علی الصُبح اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور دریا کے پار جنگل میں چلا گیا۔ ایک درخت سے لکڑی کاٹی اور پنجرا بنانے لگا۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھا کہ ایک شیر آ گیا اور بولا: "بڑے میاں! کیا بناتے ہو؟" بڑھئی نے جواب دیا: "جنگل کے بادشاہ کا گھر بنا رہا ہوں:" شیر نے کہا: "اس چھوٹے سے پنجرے میں ہم کیسے سا سکتے ہیں؟" بڑھئی نے کہا: "جنگل کے بادشاہ! اس میں داخل ہو کر دیکھ لیجئے" شیر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پنجرے میں داخل ہو گیا۔ بڑھئی نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔ اب شیر قید تھا اور پنجرے سے نکلنے کے لیے بے تاب۔ بڑھئی نے بیٹے سے کہا۔ لوٹا لو اور آگ جلا کر پانی کو خوب گرم کرو، لڑکے نے ایسا ہی کیا۔ جب پانی ابلنے لگا تو بڑھئی نے لوٹا اٹھایا اور شیر پر ڈالنے لگا۔

جُوں جُوں اُبلتا ہوا پانی پڑتا شیر تڑپتا جاتا حتیٰ کہ اس کے بدن کی کھال تک جل گئی اور شیر اَدھ موا سا ہو گیا۔ بڑھئی نے یہ دیکھ کر پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ شیر باہر نکلا اور بے تحاشا جنگل کو بھاگ گیا۔ بڑھئی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بلا ٹلی اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ جنگل سے تین شیر آتے ہوئے دکھائی

دیے۔ بڑھئی اور اس کا بیٹا درخت پر چڑھ گئے۔ شیر درخت کے نیچے آئے انھیں درخت پر چڑھنا نہیں آتا تھا۔ آخر جلا ہوا شیر نیچے کھڑا ہو گیا۔ دوسرا شیر اس کی پیٹھ پر چڑھ کر کھڑا ہوا تیسرا شیر دوسرے کی پیٹھ پر چڑھنے لگا تو بڑھئی نے کہا کہ اب ہماری خیر نہیں۔ اس نے چِلّا کر کہا: "لوٹا لاؤ"۔

یہ سنتا تھا کہ نیچے والا شیر بھاگا اوپر والے دونوں شیر بھی اوپر نیچے گرے اور بھاگ نکلے۔ جنگل میں جا گھسے اور پھر ادھر آنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ بڑھئی کی حاضر دماغی نے نہ صرف شیروں کو بھگا دیا، بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ انسان جنگل کے بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے۔

نتیجہ: انسان علم و عقل کی وجہ سے ہی اشرف المخلوقات ہے۔
عقل مندی ذریعہ نجات ہے

22. اتفاق میں برکت

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آسمان میں کبوتروں کا ایک غول اڑ رہا تھا۔ اس غول کے کبوتر ایک عرصے سے ہم پرواز تھے اس لیے ایک دوسرے کے خیر خواہ بھی تھے۔ اس دن وہ کافی دیر سے محوِ پرواز تھے لیکن کہیں بھی انھیں دانہ دُنکا نظر نہ آیا۔ اُڑتے اُڑتے وہ کافی دور تک نکل گئے۔ ایک خالی جگہ پر انھیں زمین پر کافی دانہ دنکا بکھرا ہوا نظر آیا۔ غول کے اکثر کبوتر بہت خوش ہوئے اور جلدی سے نیچے اترنے لگے۔ ایک بوڑھے کبوتر نے انھیں روکا اور بولا: " زمین پر اس قدر دانہ بلاوجہ نہیں ہے۔ میری مانو، تم یہاں نہ اُترو۔" غول کا ایک کبوتر آگے بڑھا اور بولا: " پورا غول کافی دیر سے اُڑان میں ہے۔ بھوک سے سب ہلکان ہیں۔ اگر یہاں نہ اترے تو آگے کی اڑان کیسے ہو پائے گی۔"

بوڑھے کبوتر نے کہا: " میں پھر کہتا ہوں ایسی جگہ اس قدر دانہ بکھرا ہونا، ہو نہ ہو یہ کسی شکاری کی چال ہے۔ اس لیے تم یہاں نہ اُترو اور آگے اُڑتے رہو۔"

غول کے ایک کبوتر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا: "تم کبوتر اپنی صلاح کرتے رہو، میں تو چلا اپنی بھوک مٹانے۔"

اس کا یہ زمین کی طرف بڑھنا تھا کہ دوسرے کبوتروں نے بھی اس کے پیچھے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ اب کی بار وہ بوڑھا کبوتر بھی کسی کو نہ روک سکا کیوں کہ پورے کا پورا غول ہی نیچے اتر چکا تھا۔ سب کبوتر بے حد بھوکے تھے اس لیے دانے پر ٹوٹ پڑے۔ انھیں ارد گرد کی خبر ہی نہ تھی۔ وہ تو بس دانہ چگ رہے تھے۔ غول کو تنہا نہ چھوڑتے ہوئے مجبوراً بوڑھا کبوتر بھی کچھ دیر کے بعد نیچے اُتر آیا۔ نیچے اُترتے ہی اس نے زمین اور اِرد گرد کا جائزہ لیا اور زور سے بولا: "ہم سب شکاری کے جال میں پھنس چکے ہیں اور وہ دیکھو دور سے شکاری بھی آتا دکھائی دے رہا ہے۔"

غول کے سب کبوتروں نے جب اپنے پنجوں کی طرف دیکھا تو وہ واقعی جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ سب کے سب گھبرائے کیوں کہ موت انھیں سامنے دکھائی دے رہی تھی اور انھیں بوڑھے کبوتر کی نصیحت بھی یاد آ رہی تھی لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اسی اِثنا میں اسی بوڑھے کبوتر کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اس نے غول کے کبوتروں سے کہا: " شکاری ابھی کافی دور ہے۔ اگر ہم سب مل کر زور لگائیں تو ہم اس جال کو لے کر یہاں سے اڑ سکتے ہیں۔ یہ جال اتنا وزنی نہیں ہے۔ ایک دفعہ یہاں سے نکلیں، پھر بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔"

کبوتر مرتے کیا نہ کرتے، سب نے مل کر زور لگایا اور اڑنا شروع کیا۔ تھوڑی دقت کے بعد آخر کار وہ جال کو اُڑا لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ شکاری دور سے یہ سب دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ اتفاق میں بہت طاقت اور برکت ہوتی ہے۔

نتیجہ: اِتفاق باعثِ برکت ہے۔

23. دیانت داری کا صلہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی گاؤں میں ایک لکڑہارا رہا کرتا تھا۔ وہ بہت غریب تھا۔ اپنی گزر بسر کے لیے وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کے لاتا اور بازار میں لا کر بیچتا۔ لیکن اس کی گزر بسر بہت مشکل سے ہو رہی تھی۔ ایک دفعہ لکڑی کاٹنے کے لیے جنگل کی طرف گیا وہاں پر مطلوبہ خشک لکڑی اسے نہیں مل رہی تھی۔ اتفاق سے اس کا مطلوبہ درخت اس کو ایک ندی کے کنارے مل گیا۔ اپنا ساز و سامان لے کر وہ درخت پر چڑھ گیا۔ کلہاڑے کے ذریعے اس نے ایک ٹہنی کو کاٹنا شروع کیا یہ ٹہنی بہت سخت جان تھی۔ بہت زیادہ ضربیں لگانے کے باوجود ٹہنی کو خاص فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ مغرب کا وقت ہونے کو تھا۔ غصے اور جھنجلاہٹ میں اس نے تیزی سے ٹہنی پر ضربیں لگانا شروع کر دیں۔ اسی اثنا میں اس کا کلہاڑا اس کے ہاتھ سے پھسل کر ندی میں جا گرا۔

وہ بہت پریشان ہوا۔ کیوں کہ یہ کلہاڑا ہی اس کی آمدن کا ذریعہ تھا۔ تکلیف کی وجہ سے اس نے رونا شروع کر دیا۔ وہ اس نقصان پر دکھ اور افسوس کا اظہار کر ہی رہا تھا کہ اچانک ندی میں سے ایک فرشتہ نمودار ہوا۔ اس نے لکڑہارے سے رونے کی وجہ دریافت کی تو لکڑہارے نے اپنے ساتھ ہونے والے حادثے سے فرشتے کو آگاہ کیا۔ لکڑہارا اس سے کہنے لگا کے اس کلہاڑے کے ذریعے محنت کر کے وہ اپنے خاندان کا پیٹ پالتا ہے۔ فرشتے نے لکڑہارے کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ندی میں غوطہ لگایا اور واپس لکڑہارے کے پاس آیا تو اس اس کے ہاتھ میں ایک کلہاڑا تھا۔ اس نے لکڑہارے سے پوچھا۔ کیا یہ اس کا کلہاڑا ہے؟ لکڑہارے نے کہا۔ " یہ سونے کا کلہاڑا ہے۔ جبکہ میرا کلہاڑا لوہے کا تھا۔"

فرشتے نے دوبارہ ندی میں غوطہ لگایا اب کی بار اس کے ہاتھ میں چاندی کا کلہاڑا تھا۔ فرشتے نے اس استفسار کیا۔ کہ کیا یہ چاندی کا کلہاڑا اس کا ہے؟ لکڑہارے نے جواب دیا" یہ چاندی کا کلہاڑا ہے۔ جبکہ میرا کلہاڑا لوہے کا تھا۔" لکڑہارا فرشتے سے التجا کرنے لگا کہ وہ اسے لوہے کا کلہاڑا لا کر دے۔ فرشتے کو اس کی حالت پر بہت ترس آیا۔ اس نے پھر ندی میں غوطہ لگایا۔ اب کی بار اس کے ہاتھ میں لوہے کا کلہاڑا تھا۔ جو کہ لکڑہارے کا تھا۔ اور لکڑہارے نے اس کا بہت شکریہ ادا کیا۔ فرشتے نے لکڑہارے سے دریافت کیا کہ اس نے سونے اور چاندی کے کلہاڑوں کو کیوں انکار کیا۔ حالانکہ وہ جھوٹ بول کر سونے جیسا قیمتی کلہاڑا لے کر اپنی بدحالی اور غربت سے چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا۔ لکڑہارے نے جواب دیا کہ میں جھوٹ بول کر کیوں اللہ کی بارگاہ میں گناہ گار ہوتا۔ اور وقتی فائدے کی وجہ سے جھوٹ جیسے وبال کو اپنے گلے میں ڈالتا۔ فرشتہ اس کی ایمانداری اور صداقت سے بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے سونے اور چاندی کے کلہاڑے بطور انعام لکڑہارے کے حوالے کر دیے۔ جس کی بدولت لکڑہارے کی غربت اور تنگدستی ختم ہو گئی۔ اور یہ سب کچھ اس کی دیانت داری کی وجہ سے ہوا۔

نتیجہ: دیانت داری بہترین حکمت عملی ہے

LAST HOPE STUDY